پیپر کرنسی......شرعی حیثیت اور متعلّقہ احکام

حافظ نذیر احمد ہاشمی

کرنسی نوٹوں کی تاریخ اور ان کے تدریجی مراحل کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ابتدائی مراحل میں کاغذی نوٹ کی حیثیت بلاشک وشبہ سند اور وثیقہ کی تھی لیکن عرصہ دراز سے یہ کاغذی نوٹ مستقل ثمن کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ عصرِ حاضر میں پوری دنیا میں باہمی لین دین انہی کاغذی نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتے ہیں اور یہی نوٹ سو فیصد اشیاء کے درمیان ذریعہ تبادلہ ہیں۔ سونے چاندی کے سکّوں کو بے دخل کر کے کاغذی نوٹوں نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ کاغذی نوٹوں کے آغاز کے بعد عرصہ دراز تک نوٹ جاری کرنے والے بینک اس کے پابند تھے کہ حامل نوٹ کے مطالبہ کرنے پر سونے یا چاندی کا سکہ اسے ادا کر دیں۔ اسی دور کی یادگار نوٹ پر لکھی ہوئی وہ عبارت ہے جس سے نوٹ کے سند اور وثیقہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے' لیکن نصف صدی سے زیادہ ہوا جب سے یہ سلسلہ موقوف ہے۔ اب نہ تو نوٹ چھاپنے والے بینک اور حکومتیں اس کی پابند ہیں کہ نوٹ کے بدلے میں سونا یا چاندی حوالے کریں نہ اس بات کی پابند ہیں کہ جتنے نوٹ چھاپیں اس کے بقدر سونا یا چاندی اپنے خزانہ میں محفوظ رکھیں۔ ۱۹۷۱ء تک حکومتیں اس بات کی پابند تھیں کہ ایک ملک دوسرے ملک کو ادائیگی کاغذی نوٹوں کی بجائے سونے کی شکل میں کریں' لیکن اب بین الممالک سطح پر بھی سونے کے ذریعے ادائیگی موقوف ہوگئی اور کاغذی نوٹوں کا رشتہ سونے چاندی سے مکمل طور پر ختم ہو گیا' لہٰذا عصر حاضر میں کاغذی نوٹوں کا ثمن (ذریعہ تبادلہ) بن جانا ایک بدیہی حقیقت بن چکا ہے۔ ان نوٹوں کی ذاتی حیثیت کاغذ کے پرزوں سے زیادہ نہیں' لیکن انسانی معاشرے میں انہیں ذریعہ تبادلہ اور قوتِ خرید کا حامل تسلیم کر لیے جانے کی وجہ سے ان کی حیثیت ثمن کی ہوگئی' لہٰذا موجودہ صورت حال میں نوٹ کو ثمن عرفی قرار دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں' نہ تو اسے سند کہا جا سکتا ہے نہ مالِ تجارت۔ نوٹ کی شرعی حقیقت اور حیثیت کے بارے میں محقّقین اور اہلِ علم کے مختلف نظریات ہیں:

(۱) ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ نوٹ بذاتِ خود کوئی سامان یا مال نہیں بلکہ اس کی حیثیت محض سند اور وثیقہ کی ہے' کیونکہ نوٹ تو محض کاغذ کا ایک پرزہ ہے' اس میں ہزار یا پانچ سو کی مالیت کس طرح آ سکتی ہے؟ اس نظریہ کے حاملین میں حکیم الامت اشرف علی تھانوی' مولانا خلیل احمد سہارنپوری' حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی' مفتی سعید احمد' مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب' مفتی محمد شفیع صاحب اور مصری عالم علامہ سید احمد الحسنی ﷭ کے نام نمایاں ہیں۔[۱]

ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) اگر نوٹ کے سرکاری سند اور وثیقہ ہونے سے قطع نظر کر لیا جائے تو اسے کوئی ایک روپیہ میں بھی نہیں خریدے گا۔

(۲) نوٹ حکومت کی طرف سے جاری کردہ ہے اور اس کے حامل سے حکومت نے جو معاہدہ کیا ہے اس کی ادائیگی کا ہر وقت ذمہ لیا ہے۔ حکومت نے اس کو سکہ نہیں قرار دیا ہے' جیسا کہ نوٹ پر لکھی ہوئی عبارت ''حامل ہٰذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا' اور حکومت پاکستان کی ضمانت سے جاری ہوا'' سے واضح ہوتا ہے۔ یہ عبارت بجائے خود نوٹ کے وثیقہ ہونے کو واضح کرتی ہے جس کو سٹیٹ بینک کے گورنر کی توثیق کی وجہ سے قبول کیا جاتا ہے' ورنہ خود اس کاغذ میں اتنی قوت خرید نہیں جو اس توثیق کی وجہ سے اس میں تسلیم کر لی جاتی ہے اور نہ اس توثیق کے بغیر کوئی اس کو خرید و فروخت کے لیے قبول ہی کرتا ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ نوٹ کا آغاز اور اس کی ترویج بھی اس کی تائید کرتی ہے' کیونکہ ابتدا میں بینک کے نوٹ کی بجائے لوگ بطور خود رقوم کے وثیقے لکھا کرتے تھے جو قبول کر لیے جاتے تھے۔ بعد میں یہ اختیار حکومتوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس طرح ان کی مہرِ تصدیق سے نوٹ چلنے لگے۔ پھر حکومت نے زر پر کنٹرول کرنے کے لیے یہ حق سٹیٹ بینک کو سونپ دیا۔ اور اب بینک نوٹ جاری کرتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نوٹ وثیقہ ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں یہ حوالہ ہے' نوٹ ادا کرنے والا المحیل' وصول کرنے والا المحتال اور بینک محتال علیہ ہے۔

(۳) اگر یہ مال ہوتا تو اسے چاک کر دینے یا دریا میں پھینک دینے یا جل جانے یا اور کسی طرح نقصان یا ہلاک ہو جانے سے وہ بالکلیہ ہلاک ہو جانا چاہیے لیکن نوٹ کے نمبرات محفوظ کر کے چاک کر دیا جائے تو عند الطّلب حکومت سے اتنے نوٹ مل جاتے ہیں۔

(۴) دنیا میں کوئی ایسی مبیع نہیں ہے کہ مشتری کے قبضہ کر لینے کے بعد اس میں نقصان ہو یا وہ فنا ہو جائے تو بدل لیں حالانکہ نوٹ کی تبدیلی بینک سے ہوتی ہے۔

(۵) یہ ایک رقعہ غیر نامی ہے۔ اس پر تحریر کردہ رقم کی وصولی ہر وقت حکومت سے ہو سکتی ہے۔ یہ ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ ہے جو کرنسی نوٹ کو سند اور وثیقہ قرار دیتے ہیں اور اسے مالِ حقیقی کی حیثیت نہیں دیتے۔

لہٰذا نوٹ کو سند زر اور حوالہ و وثیقہ ماننے کی صورت میں زکوٰۃ' صدقۃ الفطر اور کفارات کی ادائیگی نوٹ سے درست نہ ہوگی...... تاوقتیکہ:

(۱) فقیر کو نوٹ بھنا کر نقد نہ دیا جائے یا خود فقیر اس کا روپیہ نقد نہ بنالے یا غلہ کپڑا وغیرہ نہ خریدے۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک مال شرط ہے اور نوٹ فقیر کو دینے سے اصل مال پر قبضہ نہیں ہوتا بلکہ سند اور وثیقہ مال پر قبضہ ہوتا ہے جس طرح کسی فقیر کو پرچہ لکھ کر دیا جائے کہ فلاں صاحب سے ہماری زکوٰۃ کے حساب میں سے اتنا روپیہ وصول کر لو تو محض پرچہ پر قبضہ کرنے سے مال اور روپیہ پر قبضہ شمار نہیں ہوگا تاوقتیکہ اس شخص سے فقیر نقد روپیہ وصول نہ کرے۔

(۲) زکوٰۃ میں دیا ہوا نوٹ اگر فقیر سے گم ہو جائے یا جل کر ضائع ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۳) زکوٰۃ کی مد میں ملا ہوا نوٹ اگر فقیر نے ریل' بس یا مکان کے کرایہ میں دے دیا تو زکوٰۃ دینے والے کی

زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۴) زکوٰۃ کا نوٹ اگر فقیر اپنے قرضہ میں دے دے جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔نوٹ کا روپیہ بھنا کر قرضہ ادا کرنا ہوگا۔

(۵) اگر کسی نے کسی کو بطور ہبہ نوٹ دیا تو ہبہ کی تکمیل تب ہوگی جب اس نوٹ کا نقد روپیہ موہوب لہ بھنائے یا کچھ مال خرید کر اس پر قبضہ کرے۔ محض نوٹ پر قبضہ کرنے سے ہبہ شرعاً صحیح و تام نہیں ہوگا حتیٰ کہ اگر موہوب لہ نے نوٹ کا روپیہ نہیں لیا یا کوئی چیز اس سے نہیں خریدی تو ہبہ کرنے والا اس ہبہ کیے نوٹ کو واپس لے سکتا ہے۔

(۶) اس رائے کے قائل حضرات کے نزدیک نوٹ سے سونا یا چاندی یا اس کے زیورات' سچا گوٹہ لچکا حتیٰ کہ اشرفی خریدنا بھی جائز نہیں۔ پہلے اس نوٹ سے نقد روپیہ (درہم و دینار) یا سامانِ ضرورت خریدا جائے' ورنہ بائع و مشتری دونوں سودی لین دین میں ملوث ہوں گے۔

ان حضرات کے سامنے مارکیٹ میں کرنسی نوٹ کی ابتدا ہوئی تھی اور آج کی طرح اس کا رواج عام نہیں تھا' بلکہ اُس زمانے میں چاندی کا روپیہ بھی چلتا تھا اور نوٹ اپنے ابتدائی دور میں حوالہ کی حیثیت رکھتا تھا اور عندالطلب سرکار کے خزانہ سے اس کا عوض سونا اور چاندی کی شکل میں مل جاتا تھا۔لہٰذا اس دور میں بربنائے احتیاط مذکورہ بالا اکابر نے اس کو حوالہ اور سند زر قرار دے کر اس کے احکام متفرع کیے۔

(**۲**) اس کے بالکل برعکس دوسرا نظریہ یہ ہے کہ نوٹ کی حیثیت محض مال اور سامان کی ہے' کیونکہ لین دین اور سارے معاملات نفس کاغذ ہی سے متعلق ہوتے ہیں اور کاغذ مال متقوم ہے جس کی قدر و قیمت عرف و رواج کی وجہ سے بڑھ گئی ہے' جیسے ہیرے جواہرات جو کہ انتہائی قیمتی ہوتے ہیں لیکن ان کی حیثیت سامان اور مال کی ہوتی ہے' سونے چاندی کے احکام اس میں جاری نہیں ہو سکتے۔ بعینہٖ یہی حیثیت کاغذی نوٹوں کی ہے۔ یہ نظریہ شیخ عبدالرحمٰن بن سعدی اور شیخ یحییٰ امان رحمہما اللہ کا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ السعد یہ میں ہے:

> ان الثمن هو النوط حيث اشترى به كما انه هو السلعة ...... فليس هو ذهباً ولا فضة وانما العقد واقع على نفس القرطاس وهو المقصود لفظا ومعنى ...... لا يحكم عليها باحكام الذهب والفضة من زيادة ونقصان و جواز بيع بعضها ببعض وبيعها بنقد متماثلاً ومتفاضلاً من جنس و اجناس (۲)

یہی رائے علماء رام پور' علمائے بریلی اور مولانا احمد رضا خان کی ہے۔(۳)

(**۳**) ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ کاغذی نوٹ دراصل سونے چاندی کے دنانیر اور دراہم کے قائم مقام ہیں۔ یعنی نہ تو ان کی حیثیت محض سند اور حوالہ کی ہے اور نہ ہی یہ سامان کے حکم میں ہیں اور نہ ہی ان میں بذاتِ خود ثمنیت پائی جاتی ہے' لیکن چونکہ عرف و رواج کی وجہ سے یہ کاغذی نوٹ اصل ثمن (سونے چاندی) کے قائم مقام اور اس کا بدل ہیں' لہٰذا جو احکام اصل اور مبدل منہ کے ہوں گے وہی اس کے قائم مقام اور بدل کے ہوں گے۔(۴)

یہ نظریہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی اور ان کے تلمیذ خاص حضرت مولانا فتح محمد صاحب کا ہے۔(۵)

(٤) چوتھا نظریہ یہ ہے کہ روپے دراصل سکوں کے حکم میں ہیں' کیونکہ نہ تو اس کی حیثیت سامان کی ہے اور نہ ہی اب ان کو محض وثیقہ اور سند سمجھا جاتا ہے' بلکہ اس کی حیثیت اثمانِ مروّجہ کی ہے۔ اس نظریہ کو معتدل اور حق سمجھا گیا ہے۔

شیخ عبداللہ بن سلیمان ممبر دارالافتاء الریاض نے لکھا ہے:

هذه النظرية ترى ان الاوراق النقدية كالفلوس فى طرؤ الثمنية عليها فما ثبت للفلوس من احكام الربا والزكاة والسلم ثبت للاوراق النقدية مثلها۔ وقد قال بهذه النظرية مجموعة كبيرة من افاضل العلماء ويعتبر القابل بها فى الجملة وسطًا بين القائلين بالنظرية السندية والقائلين بالنظرية العرضية ...... ولا شك انه اقرب الاقوال الى الاصابة فى نظرنا(٦)

اور شیخ احمد الخطیب نے لکھا ہے:

فتبين بجميع ذالك ان النوت كالفلوس النحاسية فى جميع احكامها ظاهرًا و باطنًا(٧)

اور شیخ عبداللہ بن بسام نے تحریر کیا ہے:

لانها ليست ذهبا ولا فضة وانما هى اثمان تتغير كما تتغير القروش بالكساد والرواج وتقرير الحكومات ...... فاذا كان الورق بالقروش اشبه ...... فالاحسن ان تلحق به وان تعطى حكمه وحكم القروش معروف ان القروش يجرى فيها الربا النسيئة ولا يجرى فيها ربا الفضل فكذالك يجرى مجراها الورق بانواعها (٨)

یعنی نوٹ قروش (نِکل کے مخصوص سِکّے) کے حکم میں ہیں' کیونکہ یہ سونا چاندی تو یقیناً نہیں ہیں بلکہ یہ تو اثمانِ مروّجہ ہیں جو قروش کی طرح متغیر ہوتے رہتے ہیں......اس لیے یہ بھی ان ہی کے حکم میں ہوں گے۔

ثمنیّت اور نقدیّت کا مفہوم اور اس کے عناصر

ثمن کی تعریف میں ابوبکر جصاص نے لکھا ہے:

الثمن ما يثبت فى الذمة بدلة من البياعات من الدراهم والدنانير(٩)

''خرید وفروخت میں جو کچھ بطور بدل کے خریدنے والے کے ذمے آتا ہے خواہ وہ درہم یا دینار ہو وہی ثمن ہے۔''

اس کے بنیادی عناصر کا جدید ماہرین اقتصادیات نے اپنی تعریفوں میں ذکر کیا ہے۔ نقد کی تعریف یہ کی گئی ہے:

النقد ما يستخدم وسيطًا للتبادل ومقياسًا للقيم ومخزونًا للثروة ومعيارًا للمدفوعات الآجلة من الديون (١٠)

''نقد ہر وہ چیز ہے جو ذریعہ تبادلہ اور قیمتوں کے لیے پیمانہ ہو اور حصولِ ثروت کے لیے اس کا جمع کرنا ممکن اور مؤخر حقوق ومطالبات کے لیے معیار ہو۔''

نقد کی مذکورہ بالا تعریف سے اس کے چار عناصر کا علم ہوتا ہے:

(١) نقد ذریعہ تبادلہ ہوتا ہے۔ ہر انسان کو زندگی میں مختلف اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے لیکن ہر ایک کے پاس ہر ایک چیز کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ممکن نہیں۔ ایک چیز ایک شخص کے پاس ہے تو وہی چیز دوسرے شخص کے

پاس نہیں اور دوسرے کے پاس موجود شے پہلے کے پاس نہیں---اس وقت ایک دوسرے سے تبادلہ کی صورت کیا ہوگی؟ سامان کو ذریعہ بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ ابتدائی دور میں ہوتا تھا۔لیکن مشکل یہ ہے کہ ہر آدمی کو ہر سامان کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہر ایک ہر سامان پر راضی ہونے کو تیار ہوتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں سونے چاندی کی محبت وعظمت ڈال کر ذریعہ تبادلہ کے طور پر پیدا فرمایا۔

(۲) نقدیت وثمنیت کا دوسرا عنصر پیمانہ قیمت ہونا ہے۔اگر اموال کی قیمت کا کوئی معیار اور پیمانہ مقرر نہ ہو تو ہر آدمی اپنے اندازے اور مفاد کے مطابق قیمتوں کا تقرر کرے گا جو نزاع کا باعث بنے گا۔اس نزاع سے بچنے کی خاطر کسی مقیاس و پیمانہ کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ عزّ وجلّ نے سونے چاندی کو پیمانہ و معیار مقرر فرمایا۔

(۳) تیسرا عنصر قابلِ مخزون ہونا ہے۔ہر انسان مستقبل کی زندگی کے لیے مال جمع کرنا چاہتا ہے جو ٹوٹ پھوٹ اور تغیرّ سے محفوظ ہو اور یہ وصف سونا چاندی میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے' کیونکہ ان دونوں کے علاوہ ہر شے کی زندگی معمولی ہوتی ہے اور چند یوم کے بعد وہ بگاڑ کا شکار ہو جاتی ہے۔اس مشکل کے حل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی کو پیدا کیا جو نہ خراب ہوتے ہیں اور نہ عموماً کسی تغیر کا شکار ہوتے ہیں۔

(۴) نقدیت کا چوتھا اور آخری عنصر مؤخّر حقوق و مطالبات کے لیے معیار ہونا ہے۔یعنی قرض' مہر وغیرہ دوسرے مؤجّل معاملات میں سونا چاندی ہی معیار ہیں۔کوئی بھی آدمی ان مطالبات میں کسی سامان کو معیار نہیں بناتا' کیونکہ معیار وہی چیز بن سکتی ہے جو تغیر وتبدل سے پاک ہو اور تغیر وتبدل سے عام طور پر پاک سونا وچاندی ہی ہے۔

یہ وہ چار عناصر ہیں جن کی بنا پر سونا چاندی کو نقد وثمن قرار دیا گیا ہے۔نقد کے اجزائے تعریفی کی تعیین و تشریح کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ اس کے مفہوم میں کیا کیا چیزیں داخل ہو سکتی ہیں۔اس کا حقیقی اور اوّلین مصداق تو سونا چاندی ہی ہے' کیونکہ ان کے اندر ثمنیت کے جملہ عناصر مکمل طور پر موجود ہیں۔اس لیے فقہاء نے انہیں ثمن خلقی قرار دیا ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کوئی دوسری شے بطور سکہ کے لوگوں میں رائج ہو جائے اور وہ بھی سونا چاندی کی طرح ذریعہ تبادلہ قرار پائے تو کیا نقد اور ثمن کا اطلاق اس پر بھی درست ہوگا یا نہیں؟ قاعدہ اور ضابطہ کی بات تو یہی ہے کہ اس پر بھی نقد وثمن کا اطلاق درست ہے' البتہ یہ فرق ملحوظ رہے گا کہ سونا چاندی ثمنِ خلقی ہیں اور یہ ثمنِ عرفی۔

چنانچہ حنفیہ کا مسلک اور مالکیہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔امام مالک نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر چمڑے کو بھی اس حیثیت سے رواج مل جائے تو وہ ثمن قرار پائے گا۔چنانچہ المدوّنۃ الکبریٰ میں ہے:

> ''اگر لوگوں کے درمیان چمڑے کے ذریعہ خرید وفروخت کا اس قدر رواج ہو جائے کہ وہ چمڑا ثمن اور سکّہ کی حیثیت اختیار کر جائے تو اس صورت میں میرے نزدیک سونے چاندی کے ذریعہ اس چمڑے کو ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔''(۱۱)

ثمن اور نقد کے عناصر معلوم ہونے کے بعد مروّجہ کرنسی نوٹ کا جائزہ لینا چاہیے کہ اس پر نقد کی مذکورہ بالا

تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟

(۱) عرف و رواج کی رو سے کرنسی نوٹ نہ صرف ذریعہ تبادلہ بن چکا ہے بلکہ اس سے زیادہ آسان ذریعہ تبادلہ اس کے سوا کوئی نہیں۔

(۲) نقدیت کا دوسرا عنصر پیمانہ قیمت ہونا بھی اس کے اندر موجود ہے۔ چنانچہ اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ سامان یا دیگر اشیاء کی بجائے نوٹ ہی سے لگایا جاتا ہے جو اس بات کی کھلی علامت ہے کہ ہمارے عرف میں آج صرف نوٹ ہی مقیاسِ قیمت ہے۔

(۳) نقدیت و ثمنیت کے تیسرے عنصر مخزونیت کا انکار بھی کھلی حقیقت کا انکار ہوگا۔ یہ بینکوں کا نظام اسی مخزون للثروۃ کی واضح ترین شکل ہی ہے۔ چنانچہ بینکوں میں رکھے ہوئے کرنسی نوٹ برسہا برس بعد بھی حسب مرضی اکاؤنٹ ہولڈر نکال سکتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ روپیہ کاغذ کا پرزہ ہے جو پائیدار نہیں ہے چنانچہ روپیہ یا اس جیسے اثمان اصطلاحیہ' مخزون للثروہ کی صلاحیت نہیں رکھتے' یہ بجا لیکن اس کا ایک دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ جدید اکاؤنٹنگ کا نظام اس کمی کی تلافی کر دیتا ہے۔ کرنسی کا کاغذ اگرچہ غیر محفوظ ہے لیکن اس پر جو نمبر پڑا ہوتا ہے وہ یقیناً محفوظ ہے' کرنسی اگر پھٹ بھی جائے لیکن نمبر محفوظ ہو تو نمبر دکھا کر اس قیمت کا دوسرا نوٹ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کرنسی نوٹ مخزون نہیں۔ اگر یہ جمع کرنے کے لائق نہیں تھے تو دنیا کے لاکھوں کروڑوں انسان بینکوں میں اپنے روپے کیسے جمع کرتے اور جلد یا بدیر جب اور جہاں انہیں محفوظ طور پر کیسے نکال سکتے؟ ناقابل تغیر اور محفوظ ہونے کی اس سے بڑی اور واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ رہا قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا مسئلہ تو اس پر بحث ان شاء اللہ ہم آئندہ سطور میں کریں گے۔

(۴) نقدیّت و ثمنیّت کا چوتھا عنصر مؤجّل و مؤخر مطالبات کے لیے معیار ہونا ہے۔ یہ چیز بھی مکمل طور پر کرنسی نوٹ میں موجود ہے۔ پوری دنیا میں مؤخر معاملات روپے ہی سے طے کیے جاتے ہیں' مثلاً مہر' دین' قرض وغیرہ تمام معاملات میں معیار یہی کرنسی نوٹ ہی ہوتے ہیں۔

اس جائزے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ کرنسی نوٹ پر ثمن کی تعریف صادق آتی ہے اور اس کی ثمنیت سے انکار کی گنجائش اس لیے نہیں کہ ثمن کے عناصر اربعہ بتمامہا کرنسی نوٹ میں موجود ہیں۔

محض اس بنیاد پر کہ نوٹ پر وعدۂ زر کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں' اسے سند اور وثیقہ محض قرار دینا انصاف کی بات نہیں' کیونکہ یہ ابتدائی صورت حال تھی جب ان نوٹوں کے عوض سونے چاندی کا حصول آسان تھا۔ لیکن آج تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حکومت سے سونا چاندی حاصل کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ مزید عرف عام اور اصطلاح عوام الناس نے نوٹ کی یہ حیثیت لوگوں کے ذہنوں سے محو کر دی ہے' چنانچہ آپس کے لین دین کے وقت کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہیں آتا کہ ہم سند اور وثیقہ پیش کر کے حکومت کے ذمہ اپنا حق اس کے حوالے کر رہے ہیں۔ اس وقت یہ رسمی الفاظِ وعدہ اپنی حقیقت کھو چکے ہیں خود اربابِ حکومت کے ہاں بھی ان الفاظ کی کوئی حقیقت نہیں رہ گئی ہے' ورنہ سونا چاندی کی ادائیگی میں انہیں کوئی تامل نہ ہوتا۔

حاصل یہ کہ نوٹ عرف عام کی بنا پر بلاشبہ ثمن ہیں اور کاغذ کے بے قیمت پُرزے کے باوجود مال کی سب

سے اعلیٰ قسم میں داخل ہیں جب تک حکومت وقت اور عرفِ عام ان کی ثمنیت ختم نہ کر دے‘اس لیے کہ مال کی تعریف ان پر صادق آتی ہے۔ ردّ المختار میں مال کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

المال مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة (١٢)

’’مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور حاجت وضرورت کے وقت کے لیے اس کا محفوظ کرنا ممکن ہو۔‘‘

کرنسی نوٹ کو مال اور ثمن تسلیم کرنے کے بعد یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر یہ ثمن ہیں تو ان میں تفاضل وتناقص کے ساتھ بیع کا حکم کیا ہے؟ کیا وہی جو درہم ودینار کا ہے یا کچھ اور؟

اس سوال کی بنیاد فلوس کی بیع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ فلوس کی بیع آپس میں تفاضل وتناقص کے ساتھ ہونے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک درہم ودینار کے سوا کوئی شے ثمن نہیں بن سکتی اگرچہ عرف میں اس کا رواج بطور ثمن وسکہ کے رائج ہو جائے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک فلوس کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز ہے۔ صاحب المجموع نے لکھا ہے:

یقول الامام الشافعی الذهب والفضة بائنان من کل شیء لا یقاس علیهما غیرهما لمباینتهما ما قیس علیهما(١٣)

’’امام شافعی کا قول ہے سونا وچاندی کا معاملہ ہر شے سے الگ ہے‘ان پر کسی دوسری شے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا‘اس لیے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں تباین کی نسبت ہے۔‘‘

اور علامہ نووی نے لکھا ہے:

اذا راجت الفلوس رواج النقود لم یحرم الربا فیها هذا هو الصحیح المنصوص علیه(١٤)

’’جب فلوس کو نقود کی طرح رواج مل جائے تو بھی ان میں ربا حرام نہیں یہی صحیح ہے جس کی تصریح کی گئی ہے۔‘‘

امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک فلوس وغیرہ عرف ورواج کی بنا پر اگرچہ ثمن بن جاتے ہیں لیکن ان کی ثمنیت دائمہ نہیں‘ بلکہ متعاقدین اگر ان کی ثمنیت کے ابطال پر راضی اور متفق ہو جائیں تو ثمنیت باطل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک فلوس کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانهما عند ابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد لا یجوز لان الثمنیة ثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحهما ...... فصار کبیع الدرهم بالدرهمین ولهما ان الثمنیة فی حقهما باصطلاحهما اذ لا ولایة للغیر علیهما فتبطل باصطلاحهما (١٥)

’’اور ایک فلس کی بیع دو فلس کے ساتھ جائز ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک‘ جبکہ امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے۔ اس لیے کہ اس کی ثمنیت عرف عام سے ہوئی ہے تو دونوں (متعاقدین) کی باہمی اصطلاح سے وہ باطل نہیں ہوسکتی۔ پس وہ ایک درہم کی بیع کی طرح ہو گیا دو درہم کے بدلے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت ان دونوں کی باہمی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے‘ کیونکہ وہ دونوں کسی کی ولایت میں نہیں ہیں اور جب ان دونوں کی باہمی اصطلاح سے فلوس میں ثمنیت کا ثبوت ہوا ہے تو انہی دونوں کی

اصطلاح سے وہ ساقط بھی ہوسکتی ہے۔انتہیٰ"

احناف کے نزدیک علت ربا قدری یعنی کیلی اور وزنی ہونا ہے اور فلوس نہ کیلی نہ وزنی بلکہ عددی ہیں اور کاغذی نوٹ تو بطریق اولیٰ عددی ہیں' کیونکہ فلوس تو پھر بھی وزنی ہو سکتے ہیں لیکن کاغذی نوٹ عددی ہی ہوتے ہیں اور عددیات کی بیع باہم تفاضل کے ساتھ جائز ہے۔کاسانی نے لکھا ہے:

> یجوز بیع المعدودات المتقاربة من غیر المطعومات بجنسها متفاضلاً عند ابی حنیفة وابی یوسف بعد ان یکون عدد ابعدد کبیع الفلس بالفلسین باعیانهما وعند محمد لا یجوز لهما ان علة الربا هی القدر مع الجنس وهو الکیل والوزن المتفق عند اتحاد الجنس والمجانسة ان وجدت ههنا فلم یوجد القدر فلا یتحقق الربا(١٦)

مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ علی الاطلاق کسی صورت میں تفاضل جائز نہیں ہے۔المدوّنۃ الکبریٰ میں ہے:

> لان مالکا قال لا یجوز بیع فلس بفلسین ولا تجوز بیع الفلوس بالذهب ولا بالدنانیر......(١٧)

> "امام مالک کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے عوض ناجائز ہے۔اسی طرح سونا چاندی اور درہم و دینار کے ذریعہ بھی فلوس کی ادھار بیع جائز نہیں ہے (اس لیے کہ سونا چاندی درہم و دینار میں حقیقی ثمنیت موجود ہے اور سکوں میں اصطلاحی ثمنیت اور امام مالک کے نزدیک ثمنیت کے ہوتے ہوئے اگر اجناس مختلف ہوں تب بھی ادھار جائز نہیں)۔"

امام احمد کا مسلک

اس بارے میں امام احمد کے دو قول ہیں۔ایک یہ کہ ایک سکے کا تبادلہ دو سکوں سے جائز ہے' کیونکہ حرمتِ ربا کی علت ان کے نزدیک وزن ہے اور سکے وفلوس وغیرہ عددی ہیں' اس لیے علتِ حرمت ربا موجود نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فلوس کا اس طرح تبادلہ جائز نہیں۔

مذکورہ بالا اختلاف کے پیش نظر ثمن اصطلاحی کی حیثیت کے بارے میں تشویش پیدا ہو سکتی ہے' لیکن یہ اختلاف اُس وقت تھا جب خرید و فروخت میں اشیاء کا معیار سونا چاندی ہوا کرتے تھے۔فلوس کی حیثیت تابع کی ہوتی تھی' اس لیے اس وقت کسی حد تک اس میں اختلاف کی گنجائش تھی اور اس کی بھی گنجائش تھی کہ ثمن اصطلاحی کو ثمن خلقی کی موجودگی میں بالکل ثمن خلقی کی حیثیت نہ دی جائے' لیکن آج سونے چاندی کے سکے نایاب ہو چکے ہیں اور ثمن اصلی یہی نوٹ قرار پا چکے ہیں' اب اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی۔

مذکورہ بالا اقوال میں امام محمد اور امام مالک کا مسلک دلائل کے اعتبار سے قوی ہے' کیونکہ شریعتِ اسلامیہ میں عرف کو اساسی حیثیت حاصل ہے اور عرف میں جب کسی چیز کو ثمنیت حاصل ہو گئی تو اس کی ثمنیت کے ابطال کے کیا معنی؟ اور وہ بھی اس وقت جب عرفِ عام بن چکا ہو' پوری دنیا میں اس کا رواج چل پڑا ہو اور سونے چاندی کے سکے غائب ہو چکے ہوں۔اندریں حالات شیخین کی یہ بات فہم سے بالاتر ہے کہ "اگر متعاقدین ثمنیت کے ابطال پر راضی ہو جائیں تو بیع الفلوس بالفلوس میں تفاضل جائز ہے" کیونکہ جو ثمنیت عرفِ عام اور اصطلاحِ عام سے ثابت ہو اس کو دو آدمی مل کر آخر کیسے توڑ سکتے ہیں اور اس عمومِ کلی سے یہ دو آدمی آخر مستثنیٰ کیسے ہو سکتے

ہیں؟ مزید برآں فلوس' سکے اور نوٹوں کی بیع میں ثمنیت کے سوا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ کیا سکوں کی خرید و فروخت سے بجائے ثمنیت کے گلٹ' تانبا اور پیتل کا حصول ہے؟ اس لیے آج کل کے حالات میں دونوں کا باہمی طور پر ثمنیت کے ابطال کی کوشش کرنا حیلہ کی ایک ایسی صورت ہی شمار ہوگی' جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

کرنسی نوٹوں اور دراہم و دنانیر کا باہمی فرق

دورِ حاضر میں کرنسی نوٹ اگرچہ اسی طرح ثمن رائج ہے جس طرح زمانہ گزشتہ میں دینار و درہم تھے' بایں ہمہ پھر بھی ان دونوں میں کئی وجوہ سے فرق ہے۔

(۱) درہم و دینار کی ثمنیت خلقی ہے عرف عام کے تابع نہیں۔ بالفرض اگر عرف عام میں ان کا رواج ختم ہو جائے یا حکومت اس کی ثمنیت کا اعتبار ختم کر دے پھر بھی ان کی ذاتی ثمنیت بالکلیہ ختم نہیں ہو سکتی' ہاں نمایاں تغیر ضرور واقع ہو سکتا ہے' جبکہ نوٹ کی ثمنیت عرفِ عام کی وجہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ عرفِ عام کی تبدیلی یا حکومت کے اسے غیر معتبر قرار دینے کی صورت میں یہ کاغذ کا بے وقعت پرزہ ہو جائے گا۔

(۲) درہم و دینار میں ثمنیت کے ساتھ ساتھ وزنیت کا بھی اعتبار ہے' چنانچہ درہم و دینار کی آپس کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز نہیں' جس طرح ایک درہم کی بیع دو درہم کے ساتھ اور ایک دینار کی بیع دو دینار کے ساتھ جائز نہیں اسی طرح ایک زیادہ وزنی درہم یا دینار کی بیع کم وزن کے درہم و دینار کے ساتھ جائز نہیں۔ دونوں صورتیں ربا میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔ چنانچہ حدیث میں مذکور اشیاءِ ستہ میں سونا چاندی کے ساتھ وزناً بوزنٍ کی قید لگائی گئی ہے' یعنی سونا چاندی کی آپس میں بیع کی صورت میں وزن کے اعتبار سے مساوات ضروری ہے ورنہ ربا کا تحقق ہو جائے گا۔ یہی کچھ امام شافعی نے کتاب الام میں' ابن قدامہ نے المغنی میں اور ابن عابدین نے رد المختار میں لکھا ہے' جبکہ نوٹ میں وزن کے لحاظ کے کوئی معنی نہیں وہاں صرف ثمنیت اور قیمت میں مساوات ضروری ہے' اگرچہ عدد اور وزن کے لحاظ سے مساوات موجود نہ ہو' چنانچہ اگر کوئی سو کے ایک نوٹ کے بدلے سو کی تعداد میں ایک ایک روپے کے نوٹ حوالہ کر دے تو اسے ربا نہیں کہا جائے گا' حالانکہ وزن اور عدد دونوں اعتبار سے ایک ایک روپے کے سو نوٹ سو روپے کے ایک نوٹ سے زیادہ ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ نوٹوں کے معاملہ میں مساوات صرف ثمنیت اور قیمت میں ضروری ہے نہ کہ وزن اور عدد میں۔

(۳) سونا چاندی کی زکوٰۃ کا نصاب شریعت کا مقرر کردہ ہے جبکہ کرنسی نوٹ فی نفسہ کوئی قیمت نہیں رکھتے' ان میں ثمنیت عرفِ عام کی وجہ سے آئی ہے' اس لیے سونا یا چاندی کے نصاب کے بقدر اگر ان کی قیمت ہو تو زکوٰۃ کا وجوب ہوگا ورنہ نہیں۔

(۴) نوٹ کی قیمت اور جنس اختلافِ ممالک سے مختلف ہو جاتی ہے' چنانچہ امریکہ کا ڈالر' برطانیہ کا پونڈ' سعودی عرب کا ریال' کویت کا دینار اور پاکستانی و انڈین روپیہ سب کاغذی نوٹ ہونے کے باوجود قیمتاً یکساں نہیں' اس لیے یہ سب مختلف الاجناس کے حکم میں ہوں گے' اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اختلافِ جنس کی صورت میں کمی بیشی ربا نہیں ہوتا' چنانچہ ایک امریکی ڈالر کو نوے روپے پاکستانی اور ایک سعودی ریال کو

پچیس روپے پاکستانی میں بیچنا اور خریدنا رہا نہیں' جبکہ درہم و دینار کی قیمت پر اختلافِ ممالک یوں اثر انداز نہیں ہوتا' بلکہ اس کی قیمت دنیا کے ہر ملک میں تقریباً یکساں رہتی ہے۔

(۵) نوٹ کی قیمت اور ثمنیت حکومتی توثیق کی محتاج ہے' چنانچہ اگر نوٹ پر حکومت کی جانب سے توثیق کی عبارت نہ ہو تو صرف کاغذ کے ایک بے وقعت پرزہ سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں' جبکہ درہم و دینار کی ثمنیت کو اس قسم کی عبارت کی احتیاج نہیں۔

(۶) سونا چاندی' گندم اور جو وغیرہ کے بارے میں فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں مثلیت کا اعتبار کیا جائے گا' چنانچہ ایک کلو گندم کی بیع دو کلو گندم سے کسی صورت جائز نہیں' خواہ متعاقدین متفق الدار ہوں یا مختلف الدار۔ اسی طرح چاندی اور سونے کا معاملہ ہے۔ رہے فلوس اور غالب الغش سکے تو ان میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کے وقت قیمت کا لحاظ کیا جائے گا یا اسی طرح کا سکہ ادا کر دینا کافی ہوگا۔ بعض نے قیمت کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے اسی طرح کا سکّہ ادا کر دینے کو کافی قرار دیا ہے......!

یہاں اس معنی میں فرق ثابت کرنا ملحوظ ہے کہ سونا چاندی کی مثلیت بدیہی ہے جبکہ کرنسی نوٹ کی مثلیت بدیہی نہیں نظری ہے جسے دلائل سے ثابت کرنا پڑتا ہے۔

کرنسی کی قوتِ خرید اور ادائیگیوں پر اس کے شرعی اثرات

کرنسی نوٹ کے بارے میں یہ مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ ثمن عرفی تسلیم کرنے کے بعد اگر اس کو درہم و دینار کی طرح کا ثمن قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دس سال قبل قرض لیے ہوئے سو روپے کی ادائیگی آج بھی سو روپے سے ہوگی اس پر ایک روپے کا اضافہ بھی ربا ہوگا' خواہ دس سال قبل قرض لیے ہوئے سو روپے کی قیمت اور آج کے سو روپے کی قیمت میں زمین و آسمان کا تفاوت ہو اور اس سے قرض خواہ کا نقصان ہونا یقینی ہو' کیونکہ دس سال قبل کے سو روپے سے وہ اتنا کچھ خرید سکتا تھا جتنا آج کے سو روپے میں نہیں خرید سکتا اور یہ اسلام کے عدل کے خلاف ہے' اور دوسری صورت میں اگر درہم و دینار کی طرح کرنسی نوٹ کو ثمن نہ قرار دیا جائے بلکہ ان کی قیمتوں کا لحاظ رکھا جائے تو اس سے لامحالہ ربا کا دروازہ کھل جائے گا۔ مزید برآں قیمت کو معیار ماننے کی صورت میں عوام الناس کے تمام کاروبار درہم برہم ہو جائیں گے اور ایسے دقیق فنی اصول قائم کرنے پڑیں گے جو عوام کی دسترس سے باہر ہونے کے ساتھ ساتھ مستقل باہمی تنازعہ کے موجب بھی ہوں گے۔ جبکہ اسلام کے مزاج میں سادگی ہے' باریک فنی تشقیقات اور خواہ مخواہ کی موشگافیاں اسے پسند نہیں ہیں' بالخصوص جب عوام الناس کے پریشان ہونے اور ان کے کاروبار کے بگڑنے اور درہم برہم ہونے کا مسئلہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ مشہور فرمان حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے: ((اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ))[۱۸] اس حساب و کتاب سے مراد وہ باریک حسابات اور فنی تشقیقات ہیں جو عوام کی دسترس سے باہر ہوں وہ اسلام کو پسند نہیں' کیونکہ اسلام صرف خواص کے لیے نہیں بلکہ عوام کے لیے بھی ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ ایسے اصول بناتا ہے جو پُر معنی' سادہ اور عوام و خواص سب کے لیے یکساں دلچسپی کے حامل ہوں۔ اس لیے ایسا اقدام کرنا یا ایسے اصول بنانا جو سادگی کے خلاف اور فنی اور قانونی پیچیدگی کے حامل ہوں' ان کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

قیمتوں کے گھٹنے بڑھنے کا مطلب کیا ہے اور اس کے لیے معیار کیا ہے؟ قیمتوں کی کمی بیشی اضافی چیز ہے یا حقیقی؟

ان سوالات کے جوابات ملنے پر بہت سے سوالات خود بخود حل ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر آج اگر ایک گھڑی تین ہزار روپے کی ہے' دس سال پیشتر وہی گھڑی ایک ہزار روپے میں بآسانی ملتی تھی تو کیا کہا جائے گا...... گھڑی کی گرانی بڑھ گئی ہے یا روپے کی قیمت کم ہوگئی ہے یا دونوں جانب تبدیلی ہوئی ہے؟ عام محاورات میں دونوں طرح کی بات ہوتی ہے' کوئی کہتا ہے گھڑی مہنگی ہوگئی ہے کوئی کہتا ہے روپے کی حیثیت ہی نہیں رہی۔ محاورات کی بات چھوڑیں' صحیح بات یہ ہے کہ کرنسی تو ثمن ہے' اس کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب سے قطع نظر' اصل بات یہ ہے کہ جو سامان اس کے مقابلے میں خریدا گیا ہے وہ گراں ہوگیا ہے۔ اس کی گرانی کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں' کبھی بازار میں سامان کم ہوتا ہے اور خریدار زیادہ ہوتے ہیں' بالفاظِ دیگر طلب زیادہ اور رسد (سپلائی) کم ہوتی ہے' لہٰذا قدرتی طور پر سامان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ کبھی ملک کی خراب اقتصادی صورت حال کے پیش نظر اور بجٹ خسارہ کو کنٹرول کرنے اور بین الاقوامی ادائیگیوں میں توازن پیدا کرنے کے لیے اور وزراء و حکام کی تنخواہوں میں اضافہ یا ان کی مراعات میں اضافہ کرنے وغیرہ کے لیے حکومت وقت کاروباری طبقے اور تاجر برادری پر زیادہ ٹیکس لگا دیتی ہے اور تاجر حضرات وہ اضافہ عوام کی طرف منتقل کر دیتے ہیں اور اس طرح قیمتیں چڑھ جاتی ہیں۔

الغرض گرانی و ارزانی کا تعلق اصلاً سامان سے ہے' اس لیے جب ملک میں پیداوار زیادہ ہونے کے باوجود کسی چیز کی قیمت کم نہیں ہوتی تو لوگ عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ ''اتنی زیادہ پیداوار کے باوجود قیمتیں کم نہیں ہوئیں''۔ اس قسم کے اظہارات سے عرف کے اندرونی احساسات کا پتا لگ جاتا ہے کہ عوام الناس کے نزدیک سامان ہی کی قیمت میں کمی بیشی ہوئی ہے نہ کہ روپیہ میں۔ لیکن چونکہ سامان کی گرانی کی صورت میں روپیہ زیادہ دینا پڑتا ہے تو اسے یوں بھی کہا جاتا ہے کہ ''روپے کی قیمت میں کمی ہوگئی ہے'' حالانکہ روپے کی قیمت نہیں گری سامان کی قیمت بڑھ گئی۔ گویا قیمتوں کا گھٹنا بڑھنا اضافی چیز ہے۔ ایک چیز ایک شخص کی نظر میں بہت قیمتی اور باقدر ہوتی ہے' ہزاروں روپے میں بھی اسے بیچنے پر تیار نہیں ہوتا' لیکن دوسرے کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اس لیے اس کو وہ بہت کم قیمت میں بھی خریدنے کو تیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ کمی بیشی حقیقی نہیں اضافی چیز ہے۔ اضافی محاوراتی زبان میں کہہ رہا ہوں' ورنہ حقیقتاً گرانی و ارزانی کا تعلق سامان سے ہے نہ کہ روپیہ سے۔ زیر گردش کرنسی کی تعداد میں کمی بیشی سے روپے کی قدر میں جو کمی بیشی نظر آتی ہے وہ بھی ایک اضافتی (relative) تصور ہے۔ اور یہ تغیّر اُس صورت میں بھی واقع ہو کر رہتا ہے کہ اگر بجائے کاغذی کرنسی کے سونے چاندی کے رائج شدہ سکّوں کی زیر گردش مقدار میں کمی بیشی ہو جائے۔ گویا اس اعتبار سے کاغذی کرنسی' دھاتی کرنسی سے بالکلیہ مختلف نہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يُرِيْدُ الْغَلَاءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ))[19]

''جس نے چالیس دن تک قیمت گراں ہونے کی خاطر کھانے کی کوئی چیز ذخیرہ کی تو وہ اللہ سے اور اللہ اُس سے بری ہے۔''

مندرجہ بالا حدیث میں گرانی کا تعلق جنسِ غلّہ سے قائم کیا گیا ہے روپے کی قدر میں کمی بیشی سے نہیں کیا گیا۔ اسی طرح مشکوٰۃ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ عہدِ نبوی میں اشیاء کی قیمتیں بڑھیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نرخ مقرر کرنے کی درخواست کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((غَلَا السِّعْرُ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ سَعِّرْ لَنَا......))(۲۰)

''عہدِ نبوی میں نرخ میں گرانی آئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نرخ متعین کرنے کی درخواست کی۔''

اس حدیث میں بھی غلہ اور دوسری اشیاء کی قیمتوں کے مقرر کر دینے کی درخواست کی گئی ہے کہ یہ طے ہو جائے کہ فلاں شے کی قیمت یہ ہو گی۔ اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث ہے' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَکِرُ اِنْ اَرْخَصَ اللّٰہُ الْاَسْعَارَ حَزِنَ وَاِنْ اَغْلَاھَا فَرِحَ)) (۲۱)

''غلہ کو دبا کر رکھنے والا بہت برا شخص ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نرخ کو ارزاں کر دیتا ہے تو وہ غمگین ہو جاتا ہے اور جب گراں کر دیتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کَانَتْ قِیْمَۃُ الدِّیَۃِ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ ثَمَانَ مِائَۃِ دِیْنَارٍ اَوْ ثَمَانِیَۃَ آلَافِ دِرْھَمٍ ...... فَکَانَ ذٰلِکَ کَذٰلِکَ حَتّٰی اسْتُخْلِفَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ فَقَامَ خَطِیْبًا فَقَالَ : اَلَا اِنَّ الْاِبِلَ قَدْ غَلَتْ فَفَرَضَھَا عُمَرُ رضی اللہ عنہ عَلٰی اَھْلِ الذَّھَبِ اَلْفَ دِیْنَارٍ وَعَلٰی اَھْلِ الْوَرِقِ اثْنٰی عَشَرَ اَلْفَ دِرْھَمٍ(۲۲)

''...... دیت کی قیمت عہدِ نبوی میں آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی۔ یہ مقدار اسی طرح باقی رہی حتیٰ کہ خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مل گئی تو آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اب اونٹ گراں ہو گئے ہیں لہٰذا آپ نے سونا والوں پر ایک ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم مقرر کیے۔''

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ کی قیمت عہدِ نبویؐ ہی میں بارہ ہزار درہم پر پہنچ گئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بارہ ہزار درہم دیت کے لیے مقرر فرمائے تھے۔ چنانچہ:

روی ابوداود والترمذی والنسائی بسندھم ان رجلاً من بنی عدی قتل ...... فجعل نبی اللہ ﷺ دیتہ اثنی عشر الفًا ...... کما روی الدارمی ان الرسول ﷺ فرض علی اھل الذھب الف دینار

''قبیلہ بنی عدی کا ایک آدمی قتل کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر فرمائی......اور سونا والوں پر ایک ہزار دینار مقرر فرمائی جیسا کہ دارمی کی روایت میں ہے۔''

اول الذکر روایت میں خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہی نکلا کہ ''الا ان الابل قد غلت'' کہ اونٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے' گرانی مبیع میں ہوئی ہے' یہ نہیں فرمایا کہ درہم و دینار کی قیمت گھٹ گئی ہے۔

آخر میں یہ اصول بھی پیشِ نظر رہے کہ فقہاء کی تصریح کے مطابق قرض کا جواز صرف مثلی چیزوں میں ہوتا ہے' یعنی جن کے اجزاء یکساں یا متقارب ہوتے ہیں' مثلاً گندم' جو' مکئی وغیرہ۔ ذوات القیم میں قرض کے جواز کا کوئی قائل نہیں۔ ذوات القیم کا معنی ہے ایسی چیزیں جن کے افراد میں تفاوت ہو' مثلاً جانور وغیرہ کہ ان کے

درمیان تفاوت ہے‘ ان میں قرض کا معاملہ جائز نہیں۔ مثلاً کوئی جانور لے کر اسی جیسا جانور واپس کرنا جائز نہیں۔ یہاں مثلی اور قیمی کی تعریف جاننا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ مثلی کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔ وہ اشیاء جن کی مقدار ناپ تول کر معلوم کی جاتی ہو یا شمار کر کے معلوم کی جاتی ہے‘ لیکن اس کی اکائیوں میں قابل لحاظ تفاوت وفرق نہ ہو: کالمکیلات والموزونات والمعدودات المتقاربۃ۔ چنانچہ ہاتھ اورگز سے ناپی جانے والی اشیاء جن کے افراد (units) میں باہم کافی فرق وتفاوت ہو مثلی نہیں بلکہ قیمی ہوں گی۔ زیادہ آسان الفاظ میں کسی شے کے افراد میں مالیت اور قیمت کے اعتبار سے تفاوت نہ ہو یا اتنا کم تفاوت ہو جس کو عام طور پر عوام نظر انداز کر دیتے ہوں وہ مثلی اور جس کے افراد میں قابل لحاظ تفاوت ہو وہ قیمی۔ مثلی اور قیمی کی مندرجہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ کاغذی نوٹ مثلی ہیں قیمی نہیں۔ یہ نوٹ اگرچہ کیلی اور وزنی تو نہیں لیکن عددی متقاربہ (غیر متفاوتہ) ہونے کی بنا پر مثلی ہیں‘ کیونکہ ایک ہی تعداد کے دو نوٹ مثلاً دس روپے کے دو نوٹ کی ایک وقت میں ایک ہی مالیت ہوتی ہے اور ان کی قدر میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا۔

جب نوٹ کا مثلی ہونا متعین ہوگیا تو یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ مثلی اشیاء میں اکثر فقہاء کے نزدیک صرف اس کی ظاہری صورت ہی ملحوظ ہوتی ہے‘ یعنی قرض کی ادائیگی میں جو مثلیت شرعاً مطلوب ہوتی ہے وہ مقدار اور کمیت میں ہوتی ہے قیمت اور مالیت میں نہیں۔ مثلاً کوئی شخص دس کلو گندم کسی کو قرض دے دے تو اس کی ادائیگی دس کلو گندم ہی سے ہوگی خواہ قرض لینے اور دینے کے وقت گندم کی قیمت میں فرق بھی واقع ہوگیا ہو۔ چنانچہ ابن قدامہ کا بیان ہے:

ان المستقرض یرد المثل من المثلیات سواء رخص سعره اَو غلا أوْ کان بحاله (۲۳)

’’قرض خواہ مثلیات میں مثل ہی واپس کرے گا خواہ اس کی قیمت بڑھ گئی ہو کم ہوگئی ہو یا جوں کی توں ہو۔‘‘

اور فقہاء مالکیہ نے لکھا ہے:

فاذا غصبه وهو یساوی عشرة وحین التضمین کان یساوی خمسةً او عکسه اخذ بمثله ولا ینظر للسعر الرافع (۲۴)

’’کسی نے ایسی چیز غصب کی جو دس درہم کی تھی اور تاوان ادا کرتے وقت اس کی قیمت پانچ درہم یا اس کے برعکس ہوگئی ہو تو اس کی بڑھی ہوئی قیمت کی طرف توجہ کیے بغیر مثل وصول کیا جائے گا۔‘‘

علامہ نووی نے لکھا ہے:

اذا أقرض شیئًا له مثل کالحبوب والأدهان والدراهم والدنانیر وجب علی المقرض رد مثلها لانه اقرب اِلیه (۲۵)

’’اگر مثلی شے مثلاً دانے‘ تیل‘ درہم اور دینار قرض دیا جائے تو مقروض پر اس کے مثل کی واپسی واجب ہوگی کہ یہی اس کے قرض کے قریب تر چیز ہے۔‘‘

اور سرخسی کا بیان ہے:

(ولو بغلاءٍ) لان المقصود هو الجبران وذالك فی المثل اتم لان فیه مراعاة الجنس والمالیة

وفی القیمة المالیة فقط فکان ایجاب المثل اعدل (۲۶)

''کیونکہ اصل مقصود تلافی ہے اور اس کی مکمل صورت مثل ہی کی واپسی ہے' کیونکہ اس میں جنس اور مالیت دونوں کی رعایت ہے جبکہ قیمت میں صرف مالیت کی رعایت ہے۔ لہٰذا مثل کو واجب قرار دینا زیادہ قرین انصاف ہے۔''

حاصل یہ کہ فقہاء نے نرخ کی کمی بیشی کو دین کی ادائیگی اور مالِ مغصوب کی واپسی میں غیر مؤثر مانا ہے۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

ولو کان ما اقرضه موجودًا بعینه فرده من غیر عیب یحدث فیه لزم قبوله سواء تغیر سعره او لم یتغیر (۲۷)

''قرض لیا ہوا سامان بعینہٖ بغیر کسی عیب کے موجود ہو اگر اسی حالت میں مقروض واپس کر دے تو قرض دہندہ کے لیے اس کو قبول کرنا لازم ہے خواہ اس کی قیمت میں کوئی تغیر ہوا ہو یا نہ۔''

ملک العلماء کاسانی نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

اذا عرض فی ید الغاصب ما یوجب نقصان قیمة المغصوب فالعارض لا یخلوا ما ان یکون بتغیر السعر واما ان یکون یفوات جزء من المغصوب ...... فان کان بتغیر السعر لم یکن مضمونًا (۲۸)

''غاصب کے ہاتھ میں کوئی ایسا عارض پیدا ہو جائے جو شے مغصوب کی قیمت کم کر دے تو یہ پیدا شدہ نقص یا تو قیمت میں تغیر کی وجہ سے ہوگا یا شے مغصوب کے کسی جز کے فوت ہونے کی وجہ سے...... اگر قیمت میں تغیر کی وجہ سے ہو تو تاوان غاصب پر عائد نہ ہوگا۔''

ان اصول کی روشنی میں نوٹ سے دیون کی ادائیگی کا معاملہ بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ نوٹ ثمن عرفی ہے اور ثمنیت میں اس کو عملاً وہی پوزیشن حاصل ہو چکی ہے جو کسی زمانے میں سونے چاندی کی کرنسیوں کی تھی' اس لیے اگر نوٹوں سے قرض کا معاملہ کیا جائے تو جتنی بھی مدت کے بعد اس کی ادائیگی ہوگی بعینہٖ اسی مقدار کے نوٹ واپس کرنے ضروری ہوں گے' ایک روپیہ کا اضافہ بھی ناجائز ہوگا' خواہ قیمتوں میں کتنا ہی اضافہ ہو جائے' ورنہ سود ہوگا۔ اس صورت میں اگرچہ قرض دینے والے کا نقصان ہوگا۔ اس نقصان کو اس بڑے نقصان سے بچنے کی خاطر برداشت کرنا ہوگا جو اس چھوٹے نقصان کو برداشت نہ کرنے سے آ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ نقصان تو اس صورت میں بھی ہو سکتا تھا جبکہ وہ قرض کا معاملہ کرنسی نوٹ کے بجائے درہم و دینار کے ذریعے کرتا' اُس وقت بھی اشیاء کی گرانی بڑھ سکتی تھی' اس میں درہم و دینار اور نوٹ کا قصور نہیں' اقتصادی حالات اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔

اس تناظر میں یہ بات بھی نوٹ کیے جانے کے قابل ہے کہ جدید معاشیات اس امر کی بخوبی وضاحت کرتی ہے کہ معیشت میں اگر سودی معاملات قانوناً درست ہوں اور قرض کے لیے دینے کی واحد شکل سود پر مبنی ہو تو اس معیشت میں قیمتوں میں اضافہ اور عدم استحکام زیادہ ہوگا اور نتیجتاً کرنسی کی قوتِ خرید مستقل طور پر کمی کی طرف مائل ہوگی۔ لہٰذا اگر سود پر قانوناً پابندی لگ جائے تو کرنسی کی قوتِ خرید میں استحکام حاصل ہو سکے گا۔

میری ناقص ترین رائے یہ ہے کہ آج کی کرنسی تمام معاملات مثلاً سود جاری ہونے' زکوٰۃ واجب ہونے' بیع

سلم‘ مضاربت اور شرکت وغیرہ کے رأس المال بننے میں نقدی ہی کی طرح ہوگی اور جس طرح نقدین کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جاتا ہے اسی طرح کرنسی نوٹ کے افراطِ زر اور تفریطِ زر کے وقت قیمتوں میں کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور مہر و قرض کی ادائیگی میں معین مقدار کی ادائیگی کو کافی سمجھا جائے گا‘ کیونکہ تمام فقہاء کی تصریح کے مطابق ادائیگی قرض کے وقت مقدار میں قطعی مثلیت اور برابری ضروری ہے نہ کہ قیمت میں‘ اٹکل اور اندازے سے برابری کو بھی سود اور ناجائز گردانا گیا ہے جس کی واضح ترین مثال بیع مزابنہ کی ممانعت ہے‘ جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اموالِ ربویہ میں بعض کا بعض کے ساتھ تبادلہ کرتے وقت مقدار میں قطعی برابری اور مثلیت لازم ہے۔

جو حضرات قرضوں کو قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ مربوط کرتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قرض خواہ کو قرض کے برابر ہی روپیہ نہ ملے بلکہ اشیاء کی قیمتوں میں جس تناسب سے اضافہ ہوا ہے اسی تناسب سے قرض کی رقم میں واپسی کے وقت اضافہ کیا جائے‘ ورنہ ایک تو قرض خواہ کا نقصان ہوگا اور دوسرے اسلام کا عادلانہ نظام بھی اس کی اجازت نہیں دیتا‘ تیسرے یہ اضافہ جو مقروض قرض خواہ کو ادا کر رہا ہے یہ اضافہ حقیقی نہیں کہ اسے ربا کے دائرے میں شامل کیا جائے بلکہ مقروض اسی مالیت کو واپس کر رہا ہے جو اس نے قرض خواہ سے حاصل کیا تھا۔ بعینہٖ وہی مقدار واپس کرنے سے قرض کی مالیت میں کمی کر کے واپس کرنا متصور ہوگا۔ لیکن اگر غور و فکر اور تدبّر سے کام لیا جائے تو اس دلیل کا بودا پن عیاں ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں مقدار (ناپ‘ وزن اور عدد) میں مثلیت ضروری ہے نہ کہ قیمت اور مالیت میں جس کی واضح ترین دلیل صحیحین میں ابوہریرہ اور ابوسعید خدری ؓ کی روایت ہے۔

’’رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو زکوٰۃ و عشر وصول کرنے کے لیے خیبر کا عامل بنا کر بھیجا۔ واپسی پر اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں عمدہ قسم کی کھجور پیش کی۔ آپ ﷺ نے دیکھ کر سوال کیا کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟ اس نے جواب دیا: نہیں‘ بلکہ ہم نے اس عمدہ کھجور کے ایک صاع کو گھٹیا کھجور کے دو صاع اور عمدہ کھجور کے دو صاع کو گھٹیا کھجور کے تین صاع کے بدلے میں تبدیل کر لیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو بلکہ تمام کھجوریں (ملی جلی کھجور) پہلے درہم و دینار کے عوض میں فروخت کر لو اور پھر ان دراہم سے عمدہ کھجور خرید لو۔‘‘ اور مسلم شریف کی بعض روایات میں آپ ﷺ نے اس کو واضح طور پر ربا قرار دے کر منع فرمایا۔ اس قسم کی روایات کثرت سے مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اموالِ ربویہ کے تبادلہ میں جو مماثلت اور مساوات شرعاً مطلوب ہے وہ مقدار میں مماثلت ہے نہ کہ قیمت میں۔ کیونکہ یہاں آپ ﷺ نے اس کھجور کو جو عمدہ قسم کی تھی جمع یعنی مخلوط کھجور کے ساتھ تبادلہ میں وزن کی برابری کا لحاظ رکھنے کا حکم فرمایا نہ کہ اس کے عمدہ اور گھٹیا ہونے کا۔ مزید قرض میں مثلیت اور برابری کی شرط کو سنن ابی داؤد کی روایت مروی از ابن عمر ؓ واضح طور پر ثابت کرتی ہے۔

عبداللہ بن عمر ؓ کا بیان ہے کہ میں مقام بقیع میں اونٹ بیچا کرتا تھا‘ کبھی دیناروں کے ذریعہ بھاؤ کر کے اونٹ بیچتا اور بجائے دینار کے مشتری سے درہم لے لیتا اور دراہم کے ذریعہ قیمت طے کر کے مشتری سے دینار

وصول کر لیتا۔ اسی طرح ادا کرتے وقت بھی دراہم کے بدلے دینار اور دینار کے بدلے دراہم ادا کرتا۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا (اُس وقت آپؐ حضرت حفصہؓ کے گھر پر تشریف فرما تھے) یا رسول اللہ ﷺ! میرا ایک سوال ہے اور وہ یہ کہ میں مقام بقیع میں اونٹ بیچتا ہوں کبھی دیناروں کے ذریعہ بیچتا ہوں اور اس کے بدلے دراہم وصول کرتا ہوں اور کبھی دراہم کے ساتھ بیع کر کے اس کے بدلے دینار وصول کرتا ہوں۔ اس طرح ادا کرتے وقت بھی دراہم کے بدلے دینار اور دیناروں کے بدلے دراہم ادا کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس دن کے بھاؤ کے برابر لو اور تم دونوں کے درمیان اس حالت میں جدائی عمل میں آئے کہ تمہارے ذمہ کوئی لین دین باقی نہ رہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ابن عمرؓ کے لیے اس بات کو جائز رکھا کہ جب بیع دینار کے ذریعہ ہوا اور اس کی جگہ درہم وصول کیا جائے تو ادائیگی کے دن اس کی جو قیمت ہو اس قیمت کے برابر درہم لیا جائے اُس دن کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس دن دینار ذمہ میں واجب ہوا تھا۔ اب اگر قرضوں میں قیمت کے اعتبار سے مثلیت اور برابری معتبر ہوتی تو ان کے ذمہ دینار کی وہ قیمت واجب ہونی چاہیے جو قیمت ذمہ میں واجب ہونے کے دن تھی۔

دوسری بات یہاں یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر قرضوں وغیرہ کو قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ مربوط کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرض کی ادائیگی میں واقعی اور حقیقی مثلیت کا اعتبار کرنے کے بجائے اس کی بنیاد ایک تخمینی مثلیت پر رکھی گئی ہے' کیونکہ اشیاء کی قیمتوں میں کمی بیشی کا جو حساب لگایا جاتا ہے وہ محض تقریبی اور تخمینی ہی ہوتا ہے اور تقریبی و تخمینی حسابات کا شریعت مطہرہ نے کوئی اعتبار نہیں کیا ہے۔

بہرحال دیون یعنی مؤخر مطالبوں' جیسے قرض' مہر' پنشن اور ادھار خریداری کی رقم کی ادائیگی قیمتوں کے اشاریہ سے متعلق کرنا نہ تو شرعاً جائز ہے اور نہ ہی قیمتوں کے اشاریہ کے ذریعہ ادائیگی کے لیے کوئی منضبط اور متیقن قاعدہ موجود ہے' اور جو دقیق فنی قاعدے اس سلسلے میں بیان کیے جاتے ہیں وہ عوام الناس کے فہم سے بالاتر ہیں اور جن کے نفاذ پر زور دینا عوام الناس کے اندر مستقل تنازع پیدا کرنا ہوگا۔ مزید اس طریقہ کار سے سود کا دروازہ بھی کھل جائے گا' کیونکہ سود خور یہی کہنے لگیں گے کہ اتنے دنوں میں بازار کی قیمتوں میں اس قدر تفاوت ہوا ہے اس لیے اضافہ لیا جانا ضروری ہے۔ سوچیے تو اسلام نے جس سود پر آہنی دیوار کھڑی کی تھی وہ اس نظام سے گر جائے گی۔ کیا تعجب ہے کہ اس نظام سے مقصود سود کا دروازہ کھولنا ہی ہو! تو یہ اسلام کے خلاف ایک مضبوط اور گہری سازش سمجھی جائے گی جو سرمایہ داروں کا نیا حربہ ہوگا اور غریب اس نئے راستے سے پامال کیے جائیں گے۔ لہٰذا شرعی نقطہ نظر سے قیمتوں کے اشاریہ کا اعتبار کرنا کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حواشی

(۱) امداد الفتاویٰ' ج۲' ص ۵۔ فتاویٰ رشیدیہ' ص ۳۵۶۔ آلات جدیدہ کے شرعی احکام: بهجة المشتاق' ص۵۶۔

(۲) فتاویٰ السعدیہ' ص ۳۱۸ و ص ۳۲۹۔

(۳) نوٹ کی شرعی حقیقت اور اس کے احکام' ص۲۰ و۲۹۔

(٤) الورق النقدی، ص ٩٦۔
(٥) مجموعة الفتاویٰ، ص ٢٢٤ تا ٢٣٨۔ و عطر الهدایه ، ص ٥٩٥٣۔
(٦) النقد الورق، ص ٨٣۔
(٧) اقناع النفوس بالحاق اوراق النوت بعملة الفلوس، ص ٤٨۔
(٨) الورق النقدی، ص ٨١۔
(٩) احکام القرآن، ص ١٢، ١٣۔
(١٠) الحفنارة الاسلامية، ٣٢٥/٢۔
(١١) المدونة الکبریٰ، ١٠٤/٧۔
(١٢) رد المحتار، ٣/٣۔
(١٣) المجموع شرح المهذب، ٢٩٣/٩۔
(١٤) الکافی، ٥٢/٢۔ ونهاية المحتاج للرملی ٤١٨/٣ وتحفة المحتاج لابن حجر ٢٠٩/٤۔
(١٥) هدایه، ٦٥/٣۔
(١٦) بدائع الصنائع، ١٨٥/٢۔
(١٧) المدونة الکبریٰ، ١٠٢/٧ والمغنی لابن قدامة مع الشرح الکبیر، ١٢١/٤ و ١٢٩۔ وفتاویٰ ابن تیمیه، ٤٦٠/٢٩۔
(١٨) صحیح البخاری، کتاب الصوم وصحیح مسلم، کتاب الصیام۔
(١٩) مشکوٰة المصابیح، کتاب البیوع، باب الاحتکار۔ رواہ احمد ورزین واللفظ له۔
(٢٠) سنن الترمذی، ابواب البیوع، باب ما جاء فی التسعیر۔ ومسند احمد، ح:١٣٥٤٥۔
(٢١) مشکوٰة المصابیح، کتاب البیوع، باب الاحتکار۔ رواہ البیهقی فی شعب الایمان ورزین فی کتابہ۔
(٢٢) سنن ابی داوٗد، کتاب الدیات، باب الدية کم هی۔
(٢٣) المغنی، ٣٦٥/٤۔
(٢٤) بلغة السالك لاقرب المسالك الی مذهب الامام مالك، ٢١٣/٢۔
(٢٥) المجموع شرح المهذب، ١٧٤/١٣۔
(٢٦) المبسوط، ٥٠/١١۔
(٢٧) المغنی، ٣٦٥/٤۔
(٢٨) بدائع الصنائع، ١٥٥/٧۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔